حضرتِ یوسف (علیہ السلام) کی عِصمت

قرآنِ عزیز کی روشنی میں

ازمولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

(۲)

(۲) عزیزِ مصر کی بیوی نوجوان اور حسین ہے، حضرت یوسفؑ اُس کے شوہر کے غلام ہیں اس لیے اُس کے بھی فرمانبردار ہیں، عیش وتنعم کے تمام سامان مہیا ہیں، خود بھی بےنظیر حسن کے مالک، دانہ قوت اور جوشِ جوانی سے بہرہ ور ہیں، مکان بند ہے اس لیے اندیشۂ رقیب سے بےخطر ں، مالکہ خود رغبت ومیلان کا اظہار کرتی، اور اُن کو پھُسلانے کی سعی میں مشغول ہوتی ہے۔ یہاں ت کہ اشارات وکنایات چھوڑ کر صراحت کے ساتھ خواہش کا اظہار کرتی ہے۔

ایسی حالت میں خدا کا برگزیدہ معصوم، صاحبِ علم وحکمت، اور مالکِ تقویٰ وطہارت رہ اُس کی خواہش کو ٹھکرا دیتا، اور بہترین اور موثر دلائل سے اُس کو ارادۂ بد سے باز رہنے تلقین کرتا ہے:-

وراودته التي هو في بيتها عن	اور جس کے گھر میں وہ رہتا تھا اُسی عورت نے
نفسه وغلقت الابواب وقالت	اُس کو اپنے بارہ میں پھُسلایا اور بند کر دیے دروازے
هيت لك ، قال معاذ الله	اور بولی تجھ ہی سے کہتی ہوں (شتابی کر) یوسف
انه ربي احسن مثواي انه	نے کہا، پناہ بخدا عزیز میرا مالک ہے اُس نے
لا يفلح الظلمون .	مجھ کو باعزت طور پر رکھا ہے، بیشک جو لوگ
	ناانصاف ہوں وہ کبھی فلاح نہیں پاتے۔

حضرت یوسف کے اس طرز استدلال کی ندرت و خوبی یہ ہے کہ سب سے پہلے اُنہوں نے یہ ذہن نشین کرایا کہ تمام کائنات کا جو مالک ہے وہ اس عمل کو قبیح جانتا ہے تو میں اُس کی نافرمانی کیسے کرسکتا ہوں جو ہم سب کا مالک ہے لیکن یہ سمجھ کر کہ یہ اس باریک حقیقت کے سمجھنے سے سردست قاصر ہے، دوسری بات اس سے زیادہ واضح یہ بتائی کہ تیرا شوہر میرا مربی اور محسن ہے، لہٰذا اگر میں تیری خوشنودی کا خیال کروں تو اُس کے حق میں خائن ٹھہرونگا، اور یہ بہت بُری بات ہے۔ اور اس کے بعد ایک عام اور کھُلی حقیقت کا اظہار کیا کہ میرا یہ عمل بے انصافی ہوگا اور بے انصاف کبھی بھلائی نہیں پاتا۔

اب غور کیجیے کہ اس قدر پرزور دلائل کے بعد "ولقد همت به وهم بها" میں حضرت یوسف کے ذمہ خرافات لگانا، یا همّ کے کسی نہ کسی درجہ کو ثابت کرنے کی سعی کرنا کس طرح معقول ہوسکتا ہے۔ اور ایک لمحہ کے لیے بھی اُسے کیسے باور کیا جاسکتا ہے؟

عصمتِ یوسف پر یہ دونوں شہادتیں اس آیت کے سیاق میں واضح اور روشن ہیں اب آیت کے مابعد "سباق" پر نظر ڈالیے تو "لولا ان رای برهان ربه" کے بعد ہی ارشاد باری ہے۔

(۳) كذلك لنصرف عنه السوء و الفحشاء انه من عبادنا المخلصين. | حضرت یوسف کی "یہ ثابت قدمی" اس لیے ہوئی تاکہ ہم اُس سے بُرائی اور بے حیائی کو دور رکھیں۔ بیشک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ہے۔

یہ آیت اپنے لطیف اشارات کے لحاظ سے دو ناقابل انکار شہادتیں حضرت یوسف کی عصمت کے لیے بہم پہنچاتی ہے۔

(ا) عربیت کے اعتبار سے "صَرَفَ" کا صلہ اگر "عن" کے ذریعہ لایا جائے تو اُس کے معنی بیشتر "حفظ" کے آتے ہیں۔ امام عربیت زمخشری لکھتا ہے:- وصرف الله تعالیٰ عنك

السوٓء ۔ وحفظك من صرف الزمان ۔ یعنی جب یوں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے بُرائی پھیر دے تو بلاغت عربی کے لحاظ سے یہ مطلب ہوگا کہ تجھ کو زمانہ کی گردش سے بچائے اور محفوظ رکھے[1]۔

اور کتب لغت میں ہے "صَرَفَہٗ" ای رَدَّہٗ ودَفَعَہٗ ۔ یعنی اُس کو لوٹا دیا اور دفع کردیا اور کسی چیز سے محفوظ رکھنے یا بچانے اور آئی ہوئی چیز کو لوٹا دینے اور دفع کر دینے میں جو فرق ہے وہ ہر ایک اہل زبان کے نزدیک مسلّم ہے۔

تو قرآنِ عزیز نے پہلے اسلوبِ بیان کو اختیار کرکے یہ حقیقت بخوبی آشکارا کردی کہ حضرت یوسف تک بُرائی پہنچ ہی نہیں سکی، اور وہ اس کے ہر شائبہ سے محفوظ رہے، کیونکہ وہ معصوم اور خدا کے برگزیدہ انسان ہیں۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس کو راندۂ درگاہ کردیا تو اُس نے جنابِ قدس میں زندگی کی ایک معین مدت طلب کی اور اُس کے حاصل ہوجانے پر کہنے لگا:۔

فبعزتك لاغوینھم اجمعین الا عبادك منھم المخلصین۔ تیرے عزت وجلال کی قسم میں تمام انسانوں کو گمراہ کرونگا، مگر میری گمراہی سے تیرے وہ بندے مستثنیٰ رہینگے جو مخلصین ہیں۔

اور سورۂ یوسف کی اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ارشاد ہے:۔

اِنہ من عبادنا المخلصین۔ یہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔

تو اب کس بدبخت کی یہ شامت آئی ہے کہ جس کو خدائے تعالیٰ نے مخلص کہا ہو اور مخلص کے بارہ میں یہ فیصلہ کرچکا ہو کہ شیطان کا داؤں مطلق اُس پر نہیں چلتا" اُس کی عصمت کے متعلق ادنیٰ سا بھی شبہ پیدا کرسکے۔ "سبحٰنك ھٰذا بھتان عظیم"

---

[1] اساس البلاغہ ص ۱۴ جلد ۲۔

(۴) عزیز کی بیوی جب حسینانِ مصر کے طعن و تشنیع کے جواب میں اُن کو لاجواب کرنے کے لیے حضرت یوسفؑ کے جمالِ جہاں آرا کا مظاہرہ کرا چکی اور اپنے حُسنِ انتخاب کی داد لے کر اُن کو نادم کر چکی تو اب طمطراق اور شوکتِ شاہانہ سے یہ کہنے لگی کہ اگر یہ میری بات نہ مانا تو قید بھگتیگا۔ اس کو سُن کر حضرت یوسف نے جو کچھ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اُن کے قول کی ترجمانی اس طرح فرمائی ہے۔

قال رب السجن احب الی مما — یوسف نے کہا اے رب مجھ کو قید پسند ہے، اس بات
یدعوننی الیہ و الا تصرف — سے کہ جس کی جانب مجھ کو یہ بلاتی ہیں اور اگر تو نہ
عنی کیدھن اصب الیھن و — دور رکھیگا مجھ سے ان کے مکر کو تو مائل ہو جاؤنگا
اکن من الجٰھلین فاستجاب — اُنکی جانب اور ہو جاؤنگا ناسمجھ، سو قبول کرلی اُسکی
لہ ربہ فصرف عنہ کیدھن — دعا اُسکے رب نے پھر دور رکھا اُس سے اُن کا فریب۔
انہ ھو السمیع العلیم۔ — بلاشبہ وہی ہے سُننے والا جاننے والا۔

"اصبُ الیھن" میں صبو کے معنی میلان و رغبت کے ہیں۔ یہی اہلِ تحقیق کا مختار ہے سو جب حضرت یوسفؑ نے میلان و رغبت سے بھی تحفظ کی دعا مانگی اور اس کو بھی اپنے لیے خطرہ سمجھا، اور خدائے تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول کر کے اُن کو اس سے نجات دیدی، تو پھر ھمّ (ارادہ) یوسف میں میلانِ طبع کی گنجائش نکالنا کیا معنیٰ؟

(۵) اور جب عصمت و برأتِ یوسف میں حسینانِ مصر اور عزیز کی بیوی کی شہادتیں ہو چکیں تو خود حضرت یوسف نے معاملہ کی وضاحت فرما کر اُس کو بالکل صاف کر دیا۔ اور ارشاد فرمایا:

ذٰلک لیعلم انی لم اخنہ — یہ میں نے اس لیے کیا تاکہ عزیزِ مصر کو معلوم ہو جائے
بالغیب وان اللہ لایھدی — کہ میں نے پس پردہ اُس کی کسی قسم کی بھی خیانت نہیں

کیس الخائنین کی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا

یہ ہیں آیت کے صحیح معنی اور حقیقی تفسیر کے وہ دلائل و براہین جو اپنی صحت، وضاحت، صداقت، اور قوت و شوکت کے اعتبار سے بنیانِ مرصوص کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پس ان روشن دلائل کے سامنے کسی باطل بات کو ماننا، یا پُر از تکلف اور ضعیف توجیہات کا سہارا لینا مسئلہ "عصمتِ انبیاء" کو بھی ٹھیس لگانا ہے اور حقائقِ واقعیہ سے بھی آنکھ بند کر لینا ہے۔

اب آیت زیرِ بحث کی دوبارہ تلاوت کیجیے اور ان دلائلِ قرآنی کی روشنی میں یوں اس کا ترجمہ کیجیے تاکہ چشمِ بصیرت وا ہو اور تاویلاتِ بعیدہ کے حجابات صاف ہو کر حقیقت روشن و منور ہو جائے۔

ولمّا بلغ اشدّہ اٰتینٰہ حکماً وعلماً وکذٰلک نجزی المحسنین

اور جب وہ سنِ رُشد کو پہنچ گیا تو ہم نے اُس کو قوتِ فیصلہ اور علم بخشا اور ہم نکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

وراودتہ التی ہو فی بیتہا عن نفسہ وغلقت الابواب

اور پُھسلایا اُس کو اپنے نفس کے لیے اُس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا اور بند کر دیے

وقالت ہیت لک قال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای

اور کہنے لگی جلدی کر۔ یوسف نے کہا خدا کی پناہ، وہ عزیزِ مصر میرا مربی ہے مجھ کو اس نے عزت سے رکھا ہے

انہ لا یفلح الظلمون ولقد ہمت بہٖ وہم بہا لولا ان رأ برہان ربہٖ

بیشک جو بے انصاف ہیں وہ کبھی بھلائی نہیں پاتے، بلا شبہ عورت نے اس سے ارادۂ بد کیا، اور وہ بھی ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل سے نا آشنا ہوتا۔

كذٰلك لنصرف عنه السوء والفحشاء ط انه من عبادنا المخلصين۝

یوں ہی یہ ہوا تاکہ ہم اُس سے بُرائی اور بے حیائی کو دور رکھیں۔ بیشک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ہے۔

چند شبہات اور اُن کے جوابات

اس موقعہ پران رکیک اور بے بنیاد شبہات اور اُن کے جوابات کا بھی ذکر کردینا ضروری ہے جو اس سلسلہ میں کیے گئے ہیں۔

(۱) "لولا ان رأ برهان ربه" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف ضرور مائل ہو چلے تھے کہ یک بیک خدا نے اپنے بُرہان کو دکھایا اور وہ اُس کو دیکھ کر عملِ بد سے باز رہے۔

اس شبہ کی بنیاد دو ایسی باتوں پر قائم ہے جو اپنی جگہ پر غلط اور بے بنیاد ہیں۔ پہلی بات یہ کہ لغت عرب میں رویۃ صرف آنکھوں سے دیکھنے کا نام ہے۔ دوسری بات یہ کہ لفظ رویۃ کے ساتھ ساتھ خرافی روایات پیش نظر ہیں۔ یہ دونوں باتیں جب ایک جگہ جمع ہو جائیں تو خود بخود شبہ کی تقریر مرتب ہو جاتی ہے۔

حالانکہ لغت عرب میں رویۃ عینی مشاہدہ اور عقلی مشاہدہ دونوں کے لیے یکساں مستعمل ہے۔ قاموس، اقرب الموارد، منجد وغیرہ کتب لغت میں تصریح ہے (رأی یری رأیًا ورویۃ) نظر بالعينِ او بالعقلِ۔ اور سورۂ فیل میں ہے۔

الم ترى كيف فعل ربك باصحٰب الفيل۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

یہاں رویۃ سے مُراد سب کے نزدیک علم ہے۔ اس لیے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اس واقعہ کے چند ماہ بعد ہوئی ہے۔ اس لیے رویۃ عینی کسی طرح مُراد نہیں ہوسکتی۔ اور خرافی روایات کی خرافات اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے۔ لہٰذا شبہ کی ہر دو بنیادوں کے غلط ثابت

جانے کے بعد شبہ خود بخود دور ہوجاتا ہے۔

(۲) حضرت یوسف نے خود اسی قصہ کے ضمن میں فرمایا:۔

وما ابرئ نفسی ان النفس اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا، بیشک نفس

لامّارۃ بالسّوء آمادہ کرتاہے برائی پر۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف سے کوئی لغزش ضرور ہوئی تب ہی تو نفس کی برأت

میں فرماتے (العیاذ باللہ) اس شبہ کے دو جواب ہیں اور دونوں نہایت قوی اور بہتر ہیں

(۱) حافظ عمادالدین ابن کثیر، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن حیان اندلسی جو اپنے تبحر علمی میں یگانۂ

روزگار اور مسلّم اہل تحقیق میں سے ہیں اُن کی رائے یہ ہے۔

کہ آیۃ "قالت امرأۃ العزیز" سے "غفور رحیم" تک یہ سب عزیز مصر کی بیوی کا مقولہ

ہے اور ان آیات کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب سچ ظاہر ہوگیا، میں نے ہی اُس کو اپنے نفس کے لیے

پھسلایا اور یوسف بالکل سچا اور معصوم ہے یہ سچائی کا اظہار میں اس لیے کر رہی ہوں

تاکہ عزیز مصر جان لے کہ میں نے پس پردہ اُس کی کوئی خیانت نہیں کی یعنی پھسلانے

سے زیادہ اور کوئی خطا نہیں کی اور اللہ فریب کرنے والے کو ناکام کرتا ہے اس لیے

میں بھی ناکام رہی۔ ہاں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، پھسلانے تک تو بہرحال نفس نے

برائی کی، اور اس قدر برائی سے تو مجھ جیسے انسانوں کے نفس کا بچنا مشکل ہے مگر یوسف

جیسے پاکباز ضرور بچ سکتے ہیں جن پر خدا کا رحم ہے اور میرا پروردگار بخشنے والا رحم کرنے والا ہے"

اور ابوحیان اس معنی میں صرف یہ فرق کرتے ہیں کہ لیعلم اور لم اخنہ کی ضمیروں کا مرجع

حضرت یوسف کو قرار دیتے ہیں۔

"یعنی یوسف یہ جان لے کہ میں نے اُس کی غیبت میں اُس کو کوئی الزام نہیں لگایا"

پس اگر آیت زیر بحث کے یہ معنی لیے جائیں تو پھر اعتراض اور شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

(ب) اور اگر وہ معنی ۔ ۔ ۔ لیے جائیں جو مشہور ہیں تب بھی کوئی شبہ اس لیے پیدا نہیں ہوتا کہ حضرت یوسف کی عصمت اور پاک دامنی کی تمام قرآنی شہادتوں، اور نصوص قطعیہ کے ذریعہ ہر قسم کی برأت کے بعد اس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضرت یوسف نے جب خود اپنی برأت اس طرح فرمائی :۔

ذٰلك ليعلم ان لم اخنه بالغيب وان الله لا يهدى كيد الخائنين — میں نے یہ طریقہ (اظہار طہارت و تقدیس نفس) اس لیے اختیار کیا تاکہ عزیز مصر سمجھ لے کہ میں نے پس پردہ اُس کی کوئی خیانت نہیں کی اور یہ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کو راہیاب نہیں کرتا

تو یہ ممکن تھا کہ کوئی معمولی عقل و شعور رکھنے والا انسان ان کی اس برأت کو کبر و غرور اور نخوت و انانیت پر محمول کرلیتا، اس لیے ضروری تھا کہ حضرت یوسف پہلے ہی اس قسم کے شبہات کو رد فرمادیں اور بتادیں کہ میری "یہ عصمت" میرے نفس کی کارفرمائی کی بدولت نہیں ہے بلکہ خدا کے رحم اور اُس کی عطا و بخشش کے صدقہ میں ہے۔ اگر وہ رحم نہ کرتا تو نفس کے ذریعہ نجات ناممکن تھی چنانچہ آیت :۔

الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم ۔ — نفس کی بُری ترغیبات سے وہی بچ سکتا ہے جس پر میرے پروردگار کا رحم ہو جائے میرا پروردگار بیشک بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ حضرتِ یوسفؑ کا نفس "امارۃ بالسوء" اس لیے ثابت نہیں ہوا کہ وہ ہمیشہ "رحم ربی" کی آغوشِ تربیت میں پرورش پاتا رہا اور کبھی اُس سے جُدا نہیں ہوا۔

پس حضرت یوسف جیسے جلیل القدر پیغمبر نے اس واقعہ کی تعبیر کے لیے ایسا اسلوبِ بیان

اختیار کیا جس سے ایک جانب انسانی "نفس" کی عام صفت کا اظہار ہو جائے اور دوسری جانب خاص اسباب و علل کی بنا پر اپنے نفس" کی عصمت " و " برأت " کے لیے محکم دلیل قائم ہو جائے۔ اور کبر و نخوت سے متعلق کسی قسم کا شبہ بھی پیدا نہ ہو سکے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس حکمت و معرفت کے اظہار کے لیے اس سے بہتر اسلوب ناممکن ہے

(۳) اگر اس آیت سے حضرت یوسفؑ کے ارادہ کی نفی ہی مقصود ہے تو پھر "لولا ان رأ برھان ربہ" کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے۔ بظاہر یہ ایک زیادہ بات معلوم ہوتی ہے۔

یہ شبہ بھی صحیح نہیں ہے اس جملہ کے اضافہ کی مختلف حکمتیں ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہے کہ جس ماحول میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ زبردست سے زبردست زاہد و متقی کے لیے بآسانی تقویٰ شکن بن سکتا تھا، مگر حضرت یوسفؑ کے قدم کو اس لیے مطلق لغزش نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُن کے پاس وہ "برہانِ رب" موجود تھا جو اللہ تعالیٰ اپنے ایسے ہی برگزیدہ بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ اور اگر خدا نہ کردہ حضرت یوسف علیہ السلام اس "برہانِ رب" سے نوازے نہ جاتے تو نہ معلوم بر بنا ءِ بشریت وہ کیا کر گذرتے۔ وذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

(۴) ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی راہ سے گذر رہے تھے اتفاقاً سامنے سے ایک اجنبی عورت کا گذر ہوا، آپ فوراً واپس لوٹے اور حجرۂ شریفہ میں جا کر زوجۂ مطہرہ کے ساتھ خلوت فرمائی۔

اور پھر صحابہ سے فرمایا کہ جب کبھی اس طرح نظر پڑ جائے تو فوراً اسی طرح عمل کر لیا کرو تاکہ شیطان خطرہ اور وسوسہ کو قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

سو اگر خاتم الانبیاء سید الکونین کے قلبِ مبارک میں اسی قسم کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا جو میل اضطراری کا درجہ ہے تو حضرت یوسف کی جانب اس قسم کے خطرہ کی نسبت میں کیا مضائقہ ہے۔ جبکہ وہ عنداللہ قابل مواخذہ نہیں ہے اور اُس کے رد کرنے پر اجر و ثواب ہے۔

یہ شبہ یقیناً قابل توجہ ہے مگر اس کا حل بہت آسان ہے اور جلیل القدر محدثین کی کاوشوں اور جانفشانیوں کی بدولت الحمدللہ اس قسم کے تمام شبہات پہلے ہی صاف کر دیئے گئے ہیں۔

یہ حدیث صحاحِ ستہ میں سے بخاری کے علاوہ سب میں موجود ہے اور صحاح سے باہر مسند دارمی، مسند بکار، کنز العمال اور خطیب بغدادی کی تاریخ میں بھی ملتی ہے۔

تاریخ بغداد اور کنز العمال میں یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اُس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مذکور نہیں ہے بلکہ صرف قولِ مبارک کے ذریعہ سے علاج کا تذکرہ ہے۔

اور مسند بکار کی حدیث حضرت انس رضی اللہ کے ذریعہ سے مروی ہے مشہور محدث اور امام جرح و تعدیل ابو حاتم نے اُس کو کتاب العلل میں نقل فرما کر اُس پر یہ حکم لگایا ہے۔

ھٰذا حدیثٌ منکرٌ بھٰذا الاسناد یہ حدیث اس سند سے ناقابل اعتبار ہے۔

دارمی، بکار، اور صحاح کی اس روایت میں ایک اضطراب یہ بھی موجود ہے کہ دارمی میں زوجۂ مطہرہ کا نام حضرت سودہ رضی اللہ عنہا مذکور ہے اور صحاح کی روایت میں حضرتِ زینب رضی اللہ عنہا کا نام ملتا ہے، مگر آپ کے قول و عمل دونوں میں یکساں طور پر مذکور ہیں اس لیے محدثین کے لیے معنوی اعتبار سے یہ دونوں اضطراب ضرور قابل توجہ ہیں۔

تاہم صحاح کی یہ روایت جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جبکہ صحیح مسلم میں بھی موجود

ہے تو اُس کی صحت مضبوط اور مستحکم ہے۔ ہم صحاح کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے اس شبہ کا جواب امام نووی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اُس کے بعد شبہ کی مطلق کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس کا حاصل یہ ہے۔

"علماء اسلام کی یہ متفقہ رائے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل اپنے کسی نفس کے خطرہ یا وسوسہ کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ اپنے قول کی تائید اور وضاحت میں نیز امتِ مرحومہ کی رشد و ہدایت کے لیے یہ عمل کر دکھایا تاکہ جب کبھی اُن کے نفس میں ایسے موقعہ پر وساوس پیدا ہوں تو وہ ظاہری شرم و حیا سے مرعوب ہوئے بغیر اس علاج کو کر گذریں کہ اُن کے سامنے "اسوۂ رسول" موجود ہے۔[1]

نووی کی اس نقل سے جب یہ واضح ہوگیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ہرگز بر بنائے وسوسہ یا خطرۂ نفس نہ تھا بلکہ اُمت کے ارشاد و بیان کے لیے تھا تو اس سے سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

---

[1] قال العلماء انما فعل هذا بيانا لهم وارشادا لما ينبغي لهم ان يفعلوه فعلمهم بفعله۔ نووی شرح مسلم جلد ۹ ص ۱۷۹ باب ندب من رأى امرأة الخ